شراب اور قمار

(جناب ریاض الحسن صاحب)

(۴)

اب تک گیمبرز (GAMES OF CHANCE) کے متعلق جو کچھ کہا جا چکا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کی رُو سے ممنوع ہونے کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی تحقیقات کی رُو سے بھی قمار نہ صرف مالی اور معاشی اعتبار سے انسان اور معاشرے کے لیے تباہ کُن ہے بلکہ ذہنی، نفسیاتی اور روحانی لحاظ سے اور بھی زیادہ ہلاکت خیز ہے۔ یہ انسان کو بغیر محنت ومشقت کے مال حاصل کرنے کی امید دلاتا ہے اور اس کی کوششیں محنت کے بجائے چالبازیوں پر صرف ہونے لگتی ہیں۔ وہ چاہنے لگتا ہے کہ بس ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا آئے۔ اس طرح سے ایک ایسی مسخ شدہ ذہنیت جنم لیتی ہے جو صرف قماربازی تک محدود نہیں رہتی۔ پھر یہی ذہنیت رشوت خوری، سمگلنگ، چوربازاری وغیرہ کی راہ سجھاتی ہے اور اگر یہ ذہنیت زیادہ بگڑ جاتی تو پھر لوگ معصوم بچوں تک کو پکڑ کر فروخت کرنے کی انسانیت سوز حرکتیں بھی کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ وہ آسانی سے اور جلدی سے جلدی مال حاصل کرنے کے حریص اور طالب ہوتے ہیں۔ یہی ذہنیت جب طالب علموں میں نمودار ہوتی ہے تو وہ اپنا وقت تعلیم سے زیادہ اس فکر میں گزارتے ہیں کہ کس طرح پڑھائی اور علم حاصل کرنے کی مشقت اٹھائے بغیر امتحان میں آسانی سے کامیاب ہو جائیں۔ یہ لوگ ایسے نت نئے ناجائز طریقوں پر غور کرتے رہتے ہیں جن سے ان کو بغیر استحقاق کے آسانی سے ڈگریاں مل سکیں۔ پھر جب کامیاب ہو کر نوکری کی تلاش میں نکلتے ہیں تو سفارش اور رشوت وغیرہ کا سہارا ڈھونڈتے ہیں اور ناجائز طریقوں پر آس لگاتے ہیں۔ اگر کاروبار یا تجارت کو اپناتے ہیں تو وہاں بھی فریب، چوربازاری اور دھوکہ دہی کے ذریعہ سے روپیہ بٹورنے کی فکر کرتے ہیں اور جلدی سے جلدی امیر بننا چاہتے ہیں۔ یہ تجارت کو بھی ایک لاٹری سمجھ بیٹھتے ہیں۔

خریداروں کو ناقص مال فراہم کرکے آسانی سے دولت کمانے کی راہ سوچتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی ذہنیت کی بنا پر پاکستانی صنعت کاروں اور تاجروں کی ساکھ کو بین الاقوامی منڈیوں میں نقصان پہنچا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جس مسخ شدہ ذہنیت کا ہم ذکر کر رہے ہیں، یہ نہ صرف دنیا میں بغیر سعیِ صادق کے مال اور دیگر دنیاوی فوائد حاصل کرنا چاہتی ہے، بلکہ آخرت کے لیے بھی بجائے مکمل طور پر عمل صالح کی کٹھن راہ پر چلنے کے صرف چند وظیفوں یا کسی بزرگ سے محض عقیدت کی بنا پر جنت حاصل کرنے کی متمنی ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ جنت یونہی نہیں مل جاتی ہے، بلکہ اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے عمر بھر احکامِ الٰہی کی اطاعت، حرام و حلال کی تمیز، اور خواہشاتِ نفس کے خلاف جدو جہد کرنی پڑتی ہے۔

تجزیہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تنہا افراد ہی اس خرابی کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ حکومت اور معاشرے کا نظام بھی اسے پرورش کر رہا ہے۔ ہمارے ملک میں گھوڑوں کی ریس پر جوا کھیلا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کلبوں وغیرہ میں ہوزی اور دیگر طرح طرح کے جوئے کھیلے جاتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ پرائز بانڈز کی شکل میں کھلم کھلا جوا ہو رہا ہے۔ خود سرکاری تصریح کے مطابق تمام بانڈ خریدنے والوں کی رقم کا سود ایک جگہ جمع کر لیا جاتا ہے، پھر حساب کے کھاتے میں اس کی چھوٹی بڑی ڈھیریاں لگا کر میسر کے ذریعے ان کی تقسیم ہوتی ہے جس میں کسی سعی یا جائز استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس طرح سود کے مال حرام کو میسر کے طریقِ حرام سے تقسیم کیا جاتا ہے جو حرام در حرام ہوا، اور اس ذریعہ سے چند آدمیوں کو جو کثیر رقوم ملنے کا امکان پیدا ہوتا ہے اس کا لالچ دے کر بانڈس کی فروخت بڑھائی جاتی ہے تاکہ پوری قوم میں قمار بازانہ ذہنیت پیدا ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ بالفرض اگر ان بانڈس کا منافع حرام قسم کا سود نہ بھی ہو بلکہ ایک جائز منافع ہی ہو تو اس کے تمام سرمایہ کاروں کو اپنے اپنے سرمایہ کے تناسب سے اس منافع کا حصہ ملنا چاہیے۔ آخر قرآن و سنت یا عدل و انصاف کی کس دلیل سے اس کو ڈھیریاں لگا کر میسر کے طریقے پر تقسیم کیا جاتا ہے؟ ذرا سوچیے کہ اگر کچھ روپیہ جس کے جائز وارث موجود ہوں، ایک جگہ جمع کیا جائے اور پھر اس کی ڈھیریاں لگا کر میسر کے طریقے پر اسے تقسیم کیا جائے جس سے وارثوں کی اکثریت کو ایک حبہ بھی نہ ملے اور گنتی کے چند ورثہ ایک اتفاقی حادثے کی بنا پر سب کے

حصے کا مال پاجائیں تو کیا کسی علمی دلیل یا کسی تصورِ انصاف کی رُو سے بھی اسے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ پوری سکیم لوگوں کو سعی کی راہ سے ہٹا کر قمار کی راہ پر نہیں ڈال رہی ہے؟ کیا اسی طرح یہ بھی جائز ہوگا کہ ایک کارخانے کے تمام مزدوروں کی اُجرتیں ایک جگہ جمع کرلی جائیں اور پھر ڈھیریاں لگا کر میسر کے طریق پر صرف گنتی کے چند مزدوروں میں انہیں بانٹ دیا جائے؟ زمانۂ جاہلیت کے میسر میں تو فقرا و مساکین کو نہ صرف حصہ ملتا تھا بلکہ سارا جیتا ہوا مال غریبوں ہی کو کھلا دیا جاتا تھا۔ مگر یہ بیسویں صدی کا میسر اس ظاہری خیر سے بھی خالی ہے۔

ہمارے ہاں ایک طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو سرے سے زندگی ہی کو ایک جُوا سمجھتا ہے۔ اسی نظریہ اور کردار کی تبلیغ ہماری فلمیں کرتی ہیں۔ مثلاً ایک فلمی گانا ہے۔

زندگی ہے اک جُوا اور تو دیکھتا ہے کیا

آگے بڑھ کے اپنی جان داؤ پر لگائے جا

یہ فلمیں بھی حکومت کے سنسر بورڈ سے پاس ہو کر ہی دکھائی جاتی ہیں اور قوم کے کردار بنانے میں فلم، ریڈیو اور ٹیلی وژن کا جو مقام ہے وہ کسی ذی فہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی چیزیں قوم کے کردار کو بلند کرنے کے لیے بھی استعمال ہو سکتی تھیں۔ لیکن جن کا نظریہ حیات ہی جُوا ہو ان کو بھلا ان باتوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔

ہمارے ہاں تو ابھی قمار اور شراب کی یہ تہذیب ابتدائی مراحل میں ہے، مگر جن ممالک میں یہ اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے وہاں جس نسبت سے اس کو فروغ نصیب ہوا ہے اُسی نسبت سے یاس اور نا امیدی بھی کثرت سے پھیلی ہوئی ہے۔ جس کا اندازہ ان ممالک میں مُسکرات اور مُسکّنات (TRANQUILIZERS) کے استعمال کی کثرت اور خودکشی وغیرہ کے واقعات سے ہو سکتا ہے۔ بقولِ غالب ؏

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید

نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہر منٹ کوئی نہ کوئی خودکشی کر کے مر جاتا ہے یا خودکشی کی کوشش کرتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ وہاں سالانہ پچاس ہزار آدمی خودکشی سے مر جاتے ہیں[1] (یعنی روزانہ اندازاً ۱۴۰ آدمی

[1] 'CLUES TO SUICIDE' BY SHNEIDMAN AND FARBEROW PAGE 187

انگلینڈ اور ویلز میں سالانہ تیس سے چالیس ہزار تک آدمی خودکشی کے ذریعہ اپنی جان گنوا دیتے ہیں۔ خودکشی کی ناکام کوشش کرنے والوں کی تعداد اس سے ۶ تا ۱۰ گنی زیادہ قیاس کی جاتی ہے یعنی امریکہ میں سالانہ ۴ تا ۵ لاکھ اور انگلینڈ و ویلز میں ۳ تا ۴ لاکھ انسان ناامیدی کی حالت میں زندگی سے بیزار ہوکر موت کو ترجیح دیتے ہوئے خود کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتے ہیں[1]۔ ان ممالک میں زندگی اس قدر پریشانیوں، غموں، اور دکھوں سے بھری ہوئی ہے کہ ماہرین اس پر تحقیقات کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

فارنہیم اور لنڈ برگ (LUNDBERG AND FARNHAM M.D) لکھتے ہیں:

"اگرچہ مادی ترقی ان بلندیوں تک پہنچ چکی ہے کہ ڈیڑھ سو سال پہلے اس کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بیماری اور وبائیں اس درجہ کم ہو گئی ہیں کہ امید بھی نہ تھی۔ اور جبکہ مادی طور سے لطف اندوزی کے ساز و سامان اور طریقے ہمارے چاروں طرف اس طرح بکھرے پڑے ہیں کہ پہلے اندازہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ بایں ہمہ موجودہ زمانہ جہاں تک جذبات اور محسوسات کا تعلق ہے، انسانی تاریخ میں یہ غالباً سب سے زیادہ غم، رنج اور پریشانی کا زمانہ ہے[2]۔"

اس بات کا احساس مغربی ماہرین اور عقلاء کو بری طرح کھائے جا رہا ہے۔ مثلاً جون رابنسن (JOAN ROBINSON) اپنی کتاب "معاشی فلسفہ" کو شروع ہی اس ذکر سے کرتی ہے:

"ایک وجہ اس بات کی کہ موجودہ زندگی کیوں اس قدر تکلیف دہ ہے یہ ہے کہ ہمیں ان باتوں کے متعلق بھی احساس خود شعوری ہو گیا ہے جو مصدقہ حقیقتیں سمجھی جاتی تھیں[3]۔"

جوئے اور شراب وغیرہ کی اس تہذیب میں ذہنی امراض جس کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں اس کے متعلق فارنہیم اور لنڈ برگ لکھتے ہیں[4]:

---

[1] SUICIDE AND ATTEMPTED SUICIDE BY STENGEL PAGE 75, 76

[2] MODERN WOMAN, THE LOSTSEX BY LUNDBERG AND FARNAM M.D. P 22

[3] ECONOMIC PHILOSOPHY BY JOAN ROBISON

[4] MODERN WOMAN P. 416, 417

"ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ امریکہ میں ۲۵ سے ۳۳ فی صد تک ایسے بالغ لوگ آباد ہیں جن کے ذہنی امراض اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں کہ ان کو ڈاکٹری علاج کی ضرورت ہے۔ . . مزید برآں ہم یہ نتیجہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ امریکہ میں ۵ سے ۲۳ فیصد مزید ایسے لوگ ہیں جو اعصابی اور ذہنی بنا پر تکلیف وہ زندگی گزار رہے ہیں۔"

آخر میں یہ دونوں مصنفین یہ قیاس کرتے ہیں کہ امریکہ میں مشکل سے ۳۲ تا ۵۰ فیصد ایسے لوگ ہوں گے جو ان امراض سے محفوظ کہے جا سکیں۔ پھر یہ لکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم کو تشویشناک حالات کا سامنا ہے۔ بالفاظ دیگر موجودہ کلچر نے امریکہ کی آبادی کو اس قدر دکھوں اور غموں سے پُر کر دیا ہے کہ ان کی آدھی سے زیادہ آبادی ان پریشانیوں کی تاب نہ لا کر ذہنی عوارض میں مبتلا ہو چکی ہے۔ اور باقی کا حصہ ذہنی دفاع کی جنگ میں مصروف ہے لیکن ابھی تک ہتھیار ڈالنے کی نوبت نہیں آئی ہے۔ یہ لوگ خوشی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں لیکن خوشی کے بجائے موت سے ہم کنار ہو جاتے ہیں۔ کوئی ان میں سے اٹھ کر آٹھ بے گناہ نرسوں کو بیئر کے نشے میں قتل کر دیتا ہے۔ دوسرا ٹکساس (TEXAS) شہر کے گھنٹہ گھر پر چڑھ کر راہ گیروں میں سے بارہ عورتوں اور مردوں کو گولی کا نشانہ بنا دیتا ہے[1]۔

ان کے بچے کسی طرح یہ دریافت کر لیتے ہیں کہ کھلونے کے جہاز جوڑنے والی سریش (گوند) نشہ پیدا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس کو استعمال کرنے کی دبا بچوں میں عام ہو جاتی ہے۔ اس عادت کے متعلق سلبی (SELBY) لکھتا ہے[2]:

"کوئی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ ایسی بے مزہ عادت اس طرح پھیل جائے گی۔ آج یہ سریش بچوں میں نشہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ بلوغ کے قریب لڑکوں اور لڑکیوں میں خودکشی کی واردات کا تعلق نشہ آور چیزوں سے جڑا ہوا ہے۔ سریش سونگھنے کی عادت بہت نقصان دہ ہو سکتی ہے۔"

---

[1] LIFE AUGUST 22, 1966

[2] PILLS, GLUE AND KIDS: AN AMERICAN TRAGEDY, ARTICLE BY SELBY IN READER DIGEST JULY 1966 PAGES 30, 31

یہ عادت بہت کم عمر کے بچے بھی اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ سات سالہ بچے بھی اس لت میں مبتلا پائے گئے ہیں۔ پولیس کے ریکارڈ ان جرائم سے بھرے پڑے ہیں جو اس سرپش کے شوقین والے کرتے ہیں۔ ان جرائم میں اکثریت کار چرانے اور زنا بالجبر کی ہوتی ہے۔

شکاگو میں تین نوجوانوں نے نشے کی گولیوں کے اثر میں ایک ۶۳ سالہ بڈھے کو گولی ماری اور پھر جب وہ سڑک کے کنارے زخمی پڑا تھا تو اس کو کندے مار مار کر مار ڈالا۔ یہ بالکل بے مقصد قتل تھا اور صرف لطف اندوزی کے لیے کیا گیا تھا"۔

بعض نوجوان مزا لینے کے لیے معصوم چھوٹے بچوں کو طرح طرح سے اذیت دے کر مار ڈالتے ہیں اور ان کی آہ و زاریوں اور چیخوں کی آوازوں کو ٹیپ کرتے ہیں اور مختلف حالتوں کی تصاویر لیتے ہیں۔ اخبار نویسوں کا بیان ہے کہ ان ٹیپ ریکارڈوں کا سننا ان کی زندگی کا سب سے ڈراونا تجربہ تھا[1]۔

میریلین مونرو (MARILYN MONROE) مشہور ایکٹرس کی زندگی بچپن سے ہی دکھوں سے بھری تھی۔ اس نے دکھوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر کے شہرت حاصل کی۔ دنیا اس کو ہنستی اور چہکتی دیکھ کر رشک کرتی۔ لیکن اس کو کسی طرح خوشی نصیب نہ ہو سکی اور آخر خودکشی کر کے سکون حاصل کرنے میں اس کا خاتمہ ہو گیا[2]۔ پھر اس کی نقل میں بھی بعض آدمیوں نے خودکشی کر لی۔

فارنہیم اور لنڈبرگ لکھتے ہیں[3]:

"بہت سی بیماریوں اور کم عمری کی موتوں اور افلاس سے محفوظ ہونے اور بے مثال دولت مندی میں کھیلنے کے باوجود لوگوں کی اکثریت بڑے اصرار کے ساتھ غمگین رہنے پر تلی ہوئی ہے۔ یہ لوگ دن بدن زیادہ ناخوش ہوتے جا رہے ہیں اتنا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے..... انسان

1, LIFE MAGAZINE DATED SEPTEMBER 5, 1966

2, AGONY OF MARILYN MONROE BY GEORGE CARPOZI JNR

3, MODERN WOMAN PAGES 25, 26, 28

اگرچہ اس سے پہلے بھی نفرت اور لڑائی کا شکار رہا ہے لیکن یہ موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ انسان کے لیے ہی باقی رہ گیا تھا کہ وہ تشدد اور دہشت ناکی کا ایک اخلاقی نظام بنا ڈالے .... مارکسزم ناقابلِ صلح نفرت کی تبلیغ کرتی ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں ان کے لیے آسان نسخہ یعنی موت تجویز کرتی ہے ...... اس نسخہ کا نشانہ لاکھوں اشخاص بنائے گئے۔ ان لوگوں میں صرف سرمایہ دار اور امیر ہی نہ تھے۔ بلکہ زیادہ تر غریب کاشتکار تھے۔ لیکن ان میں اور پیشوں کے لوگ بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ آخر کار بالشویک پارٹی کے چوٹی کے لیڈر بھی اس نفرت کے نسخہ اور طوفان کا ہدف بننے سے نہ رہ سکے۔"

سید قطب شہید کی مشہور کتاب

معالم فی الطریق

کا اُردو ترجمہ **نقوش راہ** کے نام سے مکتبہ الحسنات نے شائع کیا ہے۔
پاکستان میں یہ کتاب ادارہ مطبوعات طلبہ ۱۲/۶ بی ۳ نزد لسبیلہ مارکٹ کراچی سے مل سکتی ہے۔

بچوں کے پسندیدہ پرچے پندرہ روزہ

"نور" لاہور

کا سالنامہ "کہانی نمبر" مئی ۱۹۶۸ء میں شائع ہو رہا ہے۔ لکھنے والوں میں کئی نامور اہلِ قلم شامل ہیں۔ رنگین طباعت ۔ ۱۱۰ صفحات۔ قیمت فی پرچہ ۔/۱ روپیہ
سالانہ خریدار بننے والوں کو اسی قیمت میں دیا جائے گا

پتہ: ادارہ بتول ۔ ۴ ۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور